اسلامی مالیات میں سلَم اور استصناع: بنیادی تصورات اور جدید اطلاقات

Salam and Istiṣnā‘ in Islamic Finance: Classical Theories and Modern Applications

Dr. Muhammad Talha Hussain
Lecturer, Department of Fiqh and Shariah,
The Islamia University of Bahawalpur
Email: talha.hussain@iub.edu.pk

Abstract

This research paper explores the classical and contemporary concepts of Salam and Istiṣnā‘**,** two significant contracts in Islamic jurisprudence, which address deferred delivery in trade and manufacturing processes. The study examines their historical foundations in Islamic law, their principles, and their applications in traditional economic systems. It also analyses how these contracts have been adapted to meet the demands of modern finance, commerce, and industry while adhering to Sharī‘ah principles. The paper delves into the operational frameworks of Salam and Istiṣnā‘ in contemporary contexts, highlighting their role in sectors such as agriculture, construction, and manufacturing. Key differences and similarities between the two contracts are discussed to provide a comprehensive understanding of their practical utility. Furthermore, the study evaluates the challenges and opportunities associated with the implementation of these contracts in modern financial systems, including their integration with Islamic banking and their contribution to socio-economic development. The findings aim to bridge the gap between classical jurisprudential interpretations and modern applications, offering insights for policymakers, financial institutions, and scholars of Islamic finance. By presenting a comparative and applied analysis, this research underscores the relevance of Salam and Istiṣnā‘ in fostering ethical and sustainable trade practices in the contemporary era.

Keywords: Islamic Finance, Sharī‘ah, Contract, Salam, Istiṣnā‘, Trade

تمہید

تجارتی لین دین کسی بھی انسانی معاشرے کا لازمی جزو ہوتے ہیں۔ مستحکم اور پائیدار معیشت کے لیے لین دین کے معاہدوں کا ایک ٹھوس اور جامع ضابطہ عمل کا پابند ہونا انتہائی ضروری ہے تاکہ کسی فرد یا گروہ کو کمزور طبقے کے استحصال کا موقع نہ ملے۔ دینِ اسلام کی یہ امتیازی خوبی ہے کہ وہ انسانی معاشرے کی اس ضرورت کا ادراک کرتے ہوئے معیشت کے باب میں ایسی ہدایات اور قوانین فراہم کرتا ہے جن پر عمل مستحکم معیشت کی ضمانت

ہے۔ خرید و فروخت کے ضمن میں جن بنیادی اصولوں کی پابندی ضروری ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ بیچی جانے والی چیز عقد کے وقت فروخت کنندہ کے قبضہ میں ہو۔ یہ اصول ضمنی طور پر تین امور سے متحقق ہوتا ہے:

- وہ چیز موجود ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جو چیز موجود ہی نہ ہو اس کی خرید و فروخت شرعاً ممنوع ہے جسے بیع معدوم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
- وہ چیز فروخت کنندہ کی ملکیت میں ہو۔ شرع میں غیر مملوک کی بیع درست نہیں۔
- ملکیت متحقق ہونے کے ساتھ ساتھ وہ چیز فروخت کنندہ کے قبضہ میں بھی ہو تاکہ عقد کے نتیجے میں وہ خریدار کے سپرد کر سکے۔ یہ قبضہ حسی یا معنوی دونوں طرح ممکن ہے۔

اس بنیادی اصول سے دو صورتیں مستثنیٰ ہیں۔ ایک سلَم اور دوسری استصناع۔ روایات سے بعض صورتوں میں مخصوص شرائط کی پابندی کرتے ہوئے معدوم کی بیع کی اجازت معلوم ہوتی ہے جسے سلَم کہا جاتا ہے۔ اسی طرح عہدِ رسالت سے آج تک طلب پر مختلف اشیاء کے بنوانے کا تعامل بھی چلا آرہا ہے جو کہ استصناع کی صورت ہے۔ مذکورہ دونوں صورتیں عاقدین کی مصلحت و حاجت کی تکمیل اور مقاصدِ شریعت کے عین مطابق ہیں۔ بیع سلم اور استصناع کو معاصر معیشت میں طریقِ تمویل کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ زراعت وصنعت کے پیشہ سے وابستہ مختلف افراد اور مالیاتی ادارے اس کے ذریعے اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ زیرِ نظر مقالہ عقد سلم اور استصناع کے قدیم و جدید تصور اور دورِ حاضر میں اس کے اطلاقات پر مشتمل ہے۔ قدیم تصور روایتی فقہی تفصیلات جبکہ جدید تصور میں اس کے اطلاقات کا تجزیہ شامل ہے۔

عقدِ سلَم: تعارف و مبادیات

سلم درحقیقت نقد قیمت کے عوض کسی جنس کی ادھار فروخت کا نام ہے۔ لغتِ عرب میں یہ لفظ سپردگی، حوالگی اور ادھار کے معنی میں آتا ہے۔[1] اس عقد میں فروخت کنندہ کو قیمت نقد حوالے کی جاتی ہے جبکہ مبیع کی ادائیگی ادھار ہوتی ہے اسی لیے اس عقد کو سلَم کہا جاتا ہے۔ کشاف القناع کے مطابق اہل حجاز اس عقد کو سلَم جبکہ اہلِ عراق اسے سلف کہتے ہیں۔[2] اصطلاح میں عقدِ سلَم خرید و فروخت کے اس معاہدہ کا نام ہے جس میں قیمت کی ادائیگی فی الفور جبکہ مبیع ادھار اور کسی وقتِ متعین پر ادا کرنا معہود ہو۔ آیتِ مداینہ کی تفسیر میں امام قرطبی کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔[3] البہوتی عقدِ سلَم کی حقیقت و ماہیت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

انه بيع موصوف في الذمة الى اجل۔[4]

ترجمہ: یہ کسی چیز کی ایسی خرید و فروخت ہے جو مقررہ وقت تک ادھار ہو۔

ابن عابدین آسان اور مختصر الفاظ میں اس عقد کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں کہ معجل ثمن کے عوض کسی چیز کی ادھار فروخت عقدِ سلَم ہے۔[5] یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس عقد میں مکمل قیمت نقد ادا کرنا ضروری ہے تاہم فقہائے مالکیہ عقد منعقد ہو جانے کے بعد تین دن تک تاخیر کی اجازت دیتے ہیں۔[6] عقدِ سلم میں فروخت کنندہ کو مسلم الیہ، خریدار کو رب السلم یا مسلم فیہ، مبیع کو مسلم فیہ اور قیمت کو راس المال کہا جاتا ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ سے تجارتی لین دین کے اصولی قواعد وضوابط کے برعکس اس قسم کی اجازت ثابت ہے۔ اس بارے میں اصل الاصول تو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ روایت ہے جس میں منقول ہے کہ آپ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو اہلیانِ مدینہ ایک ،دو سال کے لیے پھلوں کا ادھار لین دین کیا کرتے تھے۔ ان کے اس طرزِ عمل پر آپ ﷺ نے فرمایا:

من اسلف فی شئی ففی کیل معلوم و وزن معلوم الی اجل معلوم۔[7]

ترجمہ: جو کسی شے کا ادھار لین دین کرے تو اسے چاہیے کہ ماپ، وزن اور مدت متعین ومعلوم کرلے۔

کتبِ حدیث میں یہ روایت مختلف الفاظ سے مذکور ہے۔ مذکورہ روایت کے بارے میں امام ترمذی کے کلام کا حاصل ہے کہ یہ روایت حسن صحیح ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور دیگر علماء کا اسی پر عمل ہے۔ انہوں نے اجناس، کپڑے اور ایسی جملہ اشیاء کے ادھار لین دین کو جائز قرار دیا ہے جن کے اوصاف اور معیار معلوم کیے جاسکتے ہیں۔[8] نیز ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کہنا ہے کہ آیتِ مدائنہ بیع سلم کے بارے میں ہی نازل ہوئی ہے جس کے ذریعے ادھار لین دین کو قیدِ کتابت میں لانے کا حکم دیا گیا ہے۔[9] اسی طرح عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"انا کنا نسلف علی عھد رسول اللہ و ابی بکر و عمر فی الحنطة و الشعیر والزبیب و التمر"[10]

ترجمہ: ہم عہدِ رسول اللہ ﷺ، ابو بکر و عمر میں گندم، جو، منقیٰ اور کھجور میں سلم کیا کرتے تھے۔

معلوم ہوا کہ خیر القرون کے تمام ادوار سے اس بیع پر عمل چلا آرہا ہے جو اس کی مشروعیت کی واضح دلیل ہے۔ اسی بنا پر فقہاء نے اس بیع کی مشروعیت پر علمائے امت کا اجماع نقل کیا ہے۔[11]

عقدِ سلم کی حکمتِ مشروعیت عوام الناس کی حاجت کا ادراک اور متوقع ضرر کا ازالہ ہے۔ اصولی طور پر شرع میں غیر موجود اور غیر مقبوض چیز کی خرید و فروخت ممنوع ہے جس کی بنیادی وجہ اس غیر یقینی کیفیت کو دور کرنا ہے جو مستقبل میں عاقدین کے مابین تنازع کا باعث بن سکے۔ معروف معاصر محقق اور ماہرِ معیشت رفیق یونس المصری کے مطابق اس عقد کے جائز ہونے کی حکمت یہی کہ بسا اوقات کاشت کار کے پاس وافر سرمایہ نہیں ہوتا اور اسے کوئی ایسا شخص بھی دستیاب نہیں ہوتا جو بلا فائدہ قرض دے۔ ایسے میں عقدِ سلم اس ضرورت کو پورا

کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسے محتاجوں کی بیع کہا جاتا ہے۔[12] اس کے علاوہ اس عقد کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اجناس یا مصنوعات کا پہلے سے سودا طے پا جانے کی بنا پر فروخت کنندہ گاہک کی تلاش کی فکر سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ اس طرح خریدار کو جہاں چیز کم قیمت پر حاصل ہوتی ہے وہیں آگے بیچنے کے لیے اسے مناسب وقت مل جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ مبنی بر مصلحت ہونے کی وجہ سے عقدِ سلم اصولی قواعد کے برعکس مشروع اور جائز ہے۔

عقدِ سلَم کی صحت کے اساسی اصول

سلم چونکہ بیع ہی کی ایک قسم ہے اس لیے اس کی صحت کے لیے بیع کی تمام بنیادی شرائط کا خیال رکھنا ضروری ہے جیسا کہ عاقدین کی اہلیت و رضامندی، ایجاب و قبول کا واضح اور ایک دوسرے کے موافق ہونا وغیرہ۔ تاہم کچھ شرائط کا تعلق خاص اس قسم سے ہے جن کا لحاظ بیع سلم کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی ذکر کردہ روایت سے بیع سلم کی صحت کی شرائط سمجھنے میں مدد لی جا سکتی ہے۔ روایت کے مطابق عوضین کی مقدار و اوصاف کا معلوم ہونا اور مدت کی تعیین ضروری ہے۔ یہ علم اور تعیین چند امور کا لحاظ رکھنے کی صورت میں ممکن ہے جنہیں فقہاء نے بیع سلم کے عوضین میں شرط قرار دیا ہے۔ ذیل میں عوضین کے حوالے سے پائی جانے والی شرائط کو بیان کیا جاتا ہے۔

راس المال یعنی قیمت سے متعلقہ اصول

راس المال کے لیے فقہاء نے دو شرائط کا ذکر کیا ہے:

- **اوّل:** سرمایہ معلوم ہو۔ فقہاء اس امر پر متفق ہیں کہ مجلسِ عقد ختم ہونے سے قبل سرمائے کی تعیین لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صاحب الھدایہ نے سرمایہ کی مقدار معلوم ہونے کو سلم کی شرائط میں ذکر کیا ہے۔[13] اگر عقد کے وقت سرمایہ موجود نہ ہو تو اس کی جنس، نوع، مقدار اور اوصاف کو واضح طور پر بیان کرنا ضروری ہے بشرطیکہ دورانِ مجلس فروخت کنندہ ثمن پر قبضہ کر لے۔
- **دوم:** فروخت کنندہ کا سرمایہ یعنی ثمن پر مجلس میں قبضہ کرنا۔ اس شرط پر بھی فقہاء اصولی طور پر متفق ہیں۔ یہ شرط اس لیے لگائی گئی ہے تاکہ بیع الکالی بالکالی (عوضین کا ادھار ہونا) لازم نہ آئے۔ بیع سلم میں مبیع ادھار ہوتی ہے۔ اگر قیمت بوقتِ عقد ادا نہ کی جائے تو وہ بھی خریدار کے ذمہ واجب ہو گی۔ یہ بیع الکالی بالکالی کے ضمن میں شامل ہو کر شرعاً ممنوع قرار پائے گی۔[14]

یہاں ایک مسئلہ کی وضاحت ضروری ہے کہ اگر سرمایہ کے بعض حصہ پر مجلس میں قبضہ کر لیا گیا تو عقد بالکلیہ باطل ہو گا یا ثمنِ مقبوض کے مقابل مسلم فیہ میں درست اور باقی میں کالعدم قرار دیا جائے گا؟

اس سلسلے میں جمہور فقہاء کے نزدیک ثمنِ مقبوض کے مقابل مسلم فیہ میں عقد درست قرار دیا جائے گا اور باقی میں کالعدم ہو گا۔ الہدایہ میں ہے:

"فان اسلم مائتی درهم فی کرحنطة مائة منها دین علی المسلم الیه و مائة نقد فالسلم فی حصة الدین باطل لفوات القبض و یجوزفی حصة النقد لاستجماع شرائطه۔"[15]

ترجمہ: اگر ایک کر گندم کی دوسو درہم کے بدلے سلم کی جس میں سے ایک سو مسلم الیہ کے ذمہ دین اور ایک سو نقد ادا ہو تو دین کے بقدر سلم باطل ہو گی قبضہ فوت ہونے کی بنا پر اور نقد کے بقدر درست ہو گی تمام شرائط کے پائے جانے کی بنا پر۔

عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدارِ دین میں فساد ایک خارجی امر یعنی قبضہ کے عدم کی بنا پر ہے جو باقی پر اثر انداز نہیں ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر مجلس کے اندر اندر مقدارِ دین بھی ادا کر دیا جائے تو سب کے نزدیک عقد درست قرار پائے گا۔ ابنِ حزم بعض حصے میں پائے جانے والے فساد کو باقی کے لیے موثر مانتے اور اس کی بنا پر مکمل عقد کو فاسد قرار دیتے ہیں۔ اپنے موقف پر ابنِ حزم یہ توجیہ پیش کرتے ہیں کہ عقد قابل تفریق نہیں ہوتا۔ عاقدین کی رضامندی مکمل عقد سے متعلق ہوتی ہے جو یا تو نقد ہو یا ادھار۔ جس عقد میں قیمت کی ادائیگی نقد لازم ہو اس میں قیمت کا کچھ حصہ ادھار کرنا گویا دوسرے کا مال باطل طور پر لینا ہے جس کی ممانعت قرآن وسنت میں وارد ہے۔[16]

مسلم فیہ یعنی مبیع سے متعلقہ اصول

شریعت مطہرہ نے بیع سلم میں مسلم فیہ یعنی مبیع کے لیے جن شرائط کو ضروری قرار دیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

اوّل: مسلم فیہ معلوم ہو: مسلم فیہ کی مقدار، جنس، نوع اور اوصاف کا اس طور پر معلوم و متعین ہونا ضروری ہے جس سے دھوکہ اور نزاع کا خدشہ باقی نہ رہے۔ تمام فقہاء اس امر پر متفق ہیں کہ سلم صرف انہی اشیاء کی ہو سکتی ہے جن کی مقدار و معیار کا پیشگی مکمل طور پر تعین ممکن ہو۔ وہ اشیاء جن میں ایسا علم اور تعین ممکن نہیں سلم کے طور پر بیچی نہیں جا سکتیں۔[17]

دوم: مسلم فیہ دین یعنی ادھار ہو: عقدِ سلم میں مسلم فیہ کی ادائیگی ایک مقررہ وقت تک مؤخر ہونی چاہیے۔[18] کم سے کم مدت کی تعیین میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں۔ ابنِ حزم نے کم از کم وقت جس پر اجل کا اطلاق ہوتا ہو کو عقدِ سلم کے جواز کے لیے کافی قرار دیا ہے۔[19] صاحب الہدایہ نے احناف کی تین روایات ایک ماہ، تین ایام اور نصف یوم سے زائد نقل کرنے کے بعد پہلی روایت یعنی ایک ماہ کو ترجیح دی ہے۔[20] یہ اس لیے کہ سلم کی اجازت کاشتکاروں اور صنعت کاروں کی ضرورت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دی گئی ہے لہذا انہیں چیز کی تیاری کے لیے مناسب

وقت ملنا چاہیے۔ علاوہ ازیں سلم میں چیز کی قیمت نقد کی نسبت کم ہوتی ہے۔ قیمت کی رعایت تبھی ممکن ہے جبکہ سامان اتنی مدت کے بعد سپرد کیا جائے جس میں قیمتیں تبدیل ہوں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کم از کم ایک ماہ کی مدت مقرر کی گئی ہے۔ اس شرط کی رو سے ان اشیاء کی بیع سلم جائز نہ ہوگی جن کے تبادلہ کے لیے فوری قبضہ کو شرط قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ سونا اور چاندی کی بیع سلم کرنا۔ کرنسی چونکہ اثمان کے حکم میں ہے لہٰذا سونے چاندی کی بیع میں مجلس میں قبضہ ضروری ہوگا۔ اسی طرح اگر گندم کے بدلے گندم کی بیع سلم ہو تو بھی اموالِ ربویہ میں سے ایک جیسی اجناس کے تبادلہ کے لیے مجلس میں قبضہ شرط ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ثمن اور مبیع کا تعلق ان اموال سے نہ ہو۔

مدت کی تعیین اور موجودہ صورتحال

روایت کے الفاظ کو سامنے رکھتے ہوئے اتنی بات تو طے ہے کہ بیع سلم میں مدت کا تعین ضروری ہے تاکہ جس مقصد کے لیے اسے مشروع کیا گیا ہے اس کی رعایت ممکن ہو۔ بائع کے لیے سہولت اسی صورت ممکن ہے جبکہ مسلم فیہ کی ادائیگی ادھار ہو اور خریدار سستی خریداری کے لیے قیمت پیشگی ادا کرے۔ نقد معاملہ میں رعایت کے یہ دونوں پہلو فراموش ہو جاتے ہیں اس لیے ادھار لازم ہے۔[21] اس کے علاوہ یہ امر بھی واضح ہے کہ روایت میں کسی قسم کی کوئی مدت مقرر نہیں کی گئی۔ فقہاء نے ایک دن سے لے کر ایک ماہ تک کی مدتیں اپنے اجتہاد اور بائع کے مفاد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے متعین کی ہیں۔ موجودہ صورتحال میں مناسب ہے کہ مدت کا تعین عاقدین کی رضامندی سے مشروط کر دیا جائے۔ حدیث کے مطابق شرط صرف یہ ہے کہ بیع سلم میں مسلم فیہ کے قبضہ اور ادائیگی کا وقت واضح طور پر متعین ہو۔ کم یا زیادہ کی کوئی تحدید نہیں۔ فقہاء نے مصالح کے پیشِ نظر مختلف مدتیں بیان کیں لیکن مصلحت زمان و مکان کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہے۔ جہاں تک قیمت کی تبدیلی کا تعلق ہے تو ضروری نہیں کہ سلم میں ہمیشہ قیمت بازاری قیمت سے کم مقرر کی جائے۔ ہر خریدار اپنی مصلحت اور مفاد دیکھ کر کوئی بھی قیمت طے کر سکتا ہے۔ لہٰذا اگر وہ کسی بھی قیمت اور مدت پر رضامندی کا اظہار کر دے تو اسے روکنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی جبکہ روایت میں بھی ایسی کسی شرط کا ذکر موجود نہ ہو۔ معاصر صورتحال میں یہی رائے مناسب ہے۔ موجودہ دور میں اشیاء کی قیمتیں پل بھر میں تبدیل ہوتی رہتی ہیں خصوصاً کمپنیوں کے حصص میں یہ صورتحال بخوبی دیکھی جا سکتی ہے۔ اسی طرح جو کمپنی مالی بحران کا شکار ہو اس کے حصص روز بروز گرتے چلے جاتے ہیں۔ مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ زیادہ کی بجائے کم مدت مقرر کی جائے تاکہ متوقع خسارہ سے بچا جا سکے۔

سوم: مسلم فیہ کی سپردگی کی جگہ متعین ہو

بیع سلم میں مسلم فیہ یعنی مبیع کی ادائیگی کی جگہ اور تاریخ کا تعین بوقتِ عقد ضروری ہے۔ مسلم فیہ کی نوعیت کے لحاظ سے فقہاء نے سپردگی کی جگہ کی تعیین کو لازم یا غیر لازم کہا ہے۔ احناف کے نزدیک جگہ کی تعیین شرط نہیں۔ جس جگہ عقدِ سلم طے پایا مسلم فیہ وہیں سپرد کی جائے گی۔[22] البتہ اگر چیز ایسی ہو جس کی نقل و حمل پر مشقت اور اخراجات برداشت کرنا پڑتے ہوں تو ایسی صورت میں سپردگی کی جگہ بوقتِ عقد متعین کرنا ضروری ہے تاکہ نزاع کی گنجائش نہ رہے۔[23] یہ امام ابو حنیفہ کی رائے ہے۔ صاحبین کے نزدیک اس صورت میں اگر جگہ متعین نہ کی جائے تو محلِ عقد متعین سمجھا جائے گا۔

تجزیہ

درج ذیل وجوہات کی بنا پر مذکورہ شرط معاصر صورتحال میں مناسب بلکہ لازم معلوم ہوتی ہے:

1. اشیاء کی قیمتوں کے تعین میں وقت کے ساتھ ساتھ جگہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ایک ہی چیز کی قیمت ایک مقام پر کچھ اور دوسرے پر مختلف ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ مشتری کسی جگہ پر چیز وصول کرنے کا خواہش مند ہو اور بائع کسی اور جگہ سپرد کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ جگہ کی تعیین نزاع کے امکان کو ختم کر دے گی۔
2. اگر مبیع کی نقل و حمل پر اخراجات عائد ہوتے ہوں تو جگہ کی تعیین بطریقِ اولیٰ ضروری ہے تاکہ اس بات کا تعین ہو سکے کہ ان اخراجات کون برداشت کرے گا؟
3. بسا اوقات بائع اور مشتری کے درمیان کسی ایسی جگہ عقد طے پاتا ہے جہاں چیز سپرد کرنا دونوں کے لیے مناسب اور قرینِ حال نہیں ہوتا۔ جگہ متعین کرنے کے نتیجہ میں یہ ابہام بھی دور ہو جاتا ہے۔

چہارم: مسلم فیہ ایسے محل کے ساتھ مقید نہ ہو جس میں انقطاع کا احتمال ہو

مسلم فیہ ایسی ہونی چاہیے جو عموماً دستیاب ہو۔ کسی متعین فیکٹری یا متعین کھیت کی پیداوار کی بیع سلم درست نہیں اس امکان کی بنا پر کہ ادائیگی سے قبل کھیت کی پیداوار یا وہ متعین صنعت ہلاک ہو جائے۔ مثال کے طور پر اگر بائع یہ ذمہ داری قبول کرے کہ وہ متعین کھیت کی گندم یا باغ کا پھل فراہم کرے گا تو یہ بیع سلم درست نہ ہوگی۔ ہلاکت کے امکان کی وجہ سے چیز کی ادائیگی موہوم رہے گی۔ یہ اصول ہر اس چیز میں کارفرما ہوگا جس کی فراہمی یقینی نہ ہو۔[24] اس بات کی دلیل ابن ماجہ کی حدیث ہے کہ ایک یہودی شخص نے نبی کریم ﷺ سے دیناروں کے عوض متعین کھجوروں کا عقدِ سلم کیا اور کہا کہ فلاں قبیلے کے باغ کی کھجوریں متعین ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"امامن حائط بنی فلان فلا ولکن کیل مسمی الی اجل مسمی۔"[25]

ترجمہ: فلاں قبیلے کے باغ کی کھجوروں کی قید درست نہیں لیکن متعین ماپ کے ساتھ متعین مدت تک صحیح ہے۔

روایت بصیغہ عن مروی ہونے اور مدلس راوی ولید بن مسلم کے پائے جانے کی بنا پر اگرچہ ضعیف ہے تاہم اس کا مفہوم مقاصدِ شرع سے ہم آہنگ اور دیگر نصوص کے موافق ہونے کی بنا پر قابلِ استدلال ہے۔ یہ شرط اس بات کو یقینی بنانے کے لیے لگائی گئی ہے کہ وقتِ مقرر پر چیز مہیا کی جاسکے۔ اسی بنا پر ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے احناف عقد کے وقت سے لے کر سپردگی کے وقت تک اس چیز کی موجودگی کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ اگر مسلم فیہ عقد کے وقت موجود نہ ہو تو احناف کے نزدیک بیع سلم درست نہیں۔ صاحب الہدایہ لکھتے ہیں:

"ولایجوز السلم حتی یکون المسلم فیه موجودا من حین العقد الی حین المحل ۔"[26]

ترجمہ: سلم جائز نہیں حتی کہ مسلم فیہ عقد کے وقت سے لے کر مقرر مدت تک موجود رہے۔

عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عقد سے لے کر سپردگی کے وقت تک چیز کا موجود ہونا ضروری ہے۔ کسی بھی مرحلہ پر اس کا عدم احناف کے نزدیک عقد سے مانع ہے۔ جمہور فقہاء کا موقف یہ ہے کہ عقد کے وقت چیز کا موجود ہونا ضروری نہیں۔ ہاں مقررہ وقت پر چیز کا موجود اور قابلِ فراہم ہونا ضروری ہے۔[27] بہر حال عقد کے وقت اگر چیز کے نہ ہونے پر سمجھوتہ کر بھی لیا جائے تاہم سپردگی کے وقت اس کا موجود ہونا ضروری ہے اور اس اصول پر تمام فقہاء متفق ہیں۔ وقتِ مقرر پر چونکہ سپردگی لازم ہے جو چیز کے معدوم ہونے کی صورت میں محال ہے اس لیے اس وقت اس کا عدم عقد پر اثرانداز ہوگا اور اسے فاسد کر دے گا۔

کمپنیوں کے حصص کی بیع سلم

مذکورہ شرط کے تناظر میں کمپنیوں کے حصص کی بیع سلم درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ کمپنی بند ہو جانے اور خسارے میں ڈوب جانے کا احتمال باقی رہتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ سلم کی مقررہ معیاد پر وہ کمپنی دیوالیہ ہو چکی ہو اور فروخت کنندہ خریدار کو اس کے حصص فراہم نہ کر سکے۔ لہٰذا اس کا حکم معین باغ کے پھلوں کی بیع سلم کا ہوگا۔ حصص کی بیع سلم ممنوع ہونے کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ حصص کمپنی کی موجود املاک میں مشاع (مشترک) حصہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ املاک ان چیزوں پر بھی مشتمل ہوتی ہیں جن میں بیع سلم جائز نہیں مثلاً مخصوص عمارات، مشینری یا فرنیچر جس کا تعلق عددیاتِ متفاوتہ سے ہو۔ اس بنا پر کمپنیوں کے حصص کی بیع سلم جائز نہیں۔

مذکورہ اصول کا دورِ حاضر کے تناظر میں تجزیہ

دورِ حاضر میں اس اصول میں جزوی نظر ثانی لازم ہے۔ بعض بڑی فیکٹریاں عالمی منڈی میں اپنا ایک مقام رکھتی ہیں اور ان کی مصنوعات دوسری فیکٹریوں کی مصنوعات کے مقابلے میں معیار و پائیداری کے لحاظ سے امتیازی حیثیت کی حامل ہوتی ہیں۔ ایسے میں خاص صنعت یا فیکٹری کا بیان ضروری بلکہ نزاع کے خدشے کو ختم کرنے کا باعث ہے۔ مثال کے طور پر گاڑیوں کی مختلف کمپنیاں معیار کے لحاظ سے اپنا ایک منفرد مقام رکھتی ہیں۔ اس لیے گاڑی کا ماڈل، انجن کی طاقت، گنجائش وغیرہ کے علاوہ کمپنی کا نام بھی ضروری ہے۔ کیونکہ ایک جیسے اوصاف کی حامل مختلف کمپنیوں کی گاڑیوں میں قیمت اور معیار کے لحاظ سے کافی فرق پایا جاتا ہے۔ یہ فرق جہالت کا متقاضی ہے جو نزاع کا باعث بن سکتی ہے۔ ہاں جہاں تک کھیت یا باغات کی پیداوار کا تعلق ہے تو متعین کھیت یا باغ کی شرط لگانا صحیح نہیں۔

چیز کے وجود یا عدم کی اگر بات کی جائے تو مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ عقد کے وقت چیز کی موجودگی کو لازم قرار نہ دیا جائے۔ اس مرحلہ پر چیز کی سپردگی لازم نہیں لہٰذا اس کا وجود یا عدم برابر ہے۔ ہاں مقررہ وقت پر چونکہ اس کے ساتھ دوسرے کا حق معلق ہو چکا اس لیے وجود ضروری ہے تاکہ حق دار کے حوالے کی جاسکے۔ بیع کے جواز کے لیے مبیع میں مقدور التسلیم کی شرط بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سپردگی کے وقت ہی وجود ضروری ہو۔ بیع سلم کی حکمتِ مشروعیت کا بغور مطالعہ بھی اس رائے کو تقویت دیتا ہے۔ کاشتکار یا صنعتکار پیداوار کے لیے سرمایہ کا طالب ہوتا ہے۔ چیز موجود ہونے کی صورت میں اس کی پیداوار کے لیے سرمایہ کی طلب کا کوئی معنی نہیں۔ موجودہ دور میں فیکٹریاں اور کارخانے صارفین کی خواہش کے مطابق مال تیاری کا عمل سرانجام دیتی ہیں۔ اسی طرح نقشہ جات کی بنیاد پر مختلف عمارات اور گھر وغیرہ بنوائے جاتے ہیں۔ ان تمام میں مسلم فیہ بوقتِ عقد موجود نہیں ہوتی۔ اگر ابتدا سے انتہا تک چیز کی موجودگی کو لازم قرار دے دیا جائے تو حرج لازم آئے گا۔

عقدِ سلَم کے احکام و اثرات

مندرجہ بالا شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے کیے جانے والے عقدِ سلم کے نتیجے میں مسلم الیہ یعنی بائع سرمایہ کا مالک بن جاتا ہے اور رب السلم یعنی خریدار مسلم فیہ کا حق دار قرار پاتا ہے جو مسلم الیہ کے ذمہ واجب ہوتی ہے۔ اس بنیادی اثر کے علاوہ بعض مخصوص صورتوں میں عقدِ سلم کا اثر مرتب کرتا ہے؟ اس سلسلے میں درج ذیل مباحث اہم ہیں:

- مسلم فیہ پر قبضہ سے پہلے تصرف۔
- مسلم فیہ کی ادائیگی میں تاخیر پر جرمانہ۔

- عقدِ سلم میں توثیق کا حکم۔

ذیل میں ہر ایک کی وضاحت پیش کی جاتی ہے۔

مسلم فیہ پر قبضہ سے پہلے تصرف کا حکم

اس امر پر تمام فقہاء متفق ہیں کہ مسلم فیہ جب تک خریدار کے قبضہ میں نہ آجائے اس میں کسی بھی قسم کا تصرف جائز نہیں کیونکہ مسلم فیہ کی حیثیت دین کی ہے جسے شرعاً آگے فروخت کرنا درست نہیں۔ روایات میں قبضہ سے قبل فروخت کی ممانعت وارد ہے۔ اس سلسلے میں ابن قدامہ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ سلم کے ذریعے خریدی گئی چیز کو قبضہ سے قبل فروخت کی ممانعت میں کسی صاحبِ علم کا اختلاف منقول نہیں۔ یقیناً آپ ﷺ نے قبضہ سے قبل غلے کی بیع سے منع فرمایا ہے اور اس چیز کے منافع سے بھی منع فرمایا ہے جو ضمان میں نہ ہو۔ چونکہ مسلم فیہ ابھی تک ضمان میں نہیں آئی اس لیے اس کی بیع جائز نہیں۔[28] صاحب الہدایہ یہ اصول اپنی کتاب میں نقل کرتے ہیں:

"ولایجوز التصرف فی راس مال السلم والمسلم فیه قبل القبض۔"[29]

ترجمہ: سلم کے راس المال اور مسلم فیہ میں قبضہ سے قبل تصرف جائز نہیں۔

تصرف کے عموم میں تمام تصرفات مثلاً بیع، ہبہ وعاریت وغیرہ شامل ہیں۔ قبضہ سے قبل ان میں سے کسی کی اجازت نہیں۔ نیز مسلم فیہ کی آگے فروخت کا ایسا وعدہ جس کی پابندی فریقین کے لیے لازم ہو چونکہ عقد کے حکم میں ہوتا ہے اس لیے اس کی بھی اجازت نہ ہوگی۔

مسلم فیہ کی ادائیگی میں تاخیر پر جرمانہ

مسلم فیہ بائع کے ذمہ ادھار ہوتی ہے جس کی ادائیگی میں تاخیر پر جرمانہ ربا کے زمرے میں آتا ہے۔ اس لیے تاخیر پر کسی قسم کے جرمانہ کی گنجائش نہیں۔ اس سلسلے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک اثر بھی منقول ہے کہ:

"من اسلف سلفا فلا یشترط الا قضاءه۔"[30]

ترجمہ: جو بیع سلم کرے اصل ادائیگی کے علاوہ کوئی شرط نہ لگائے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ خریدار مسلم فیہ کا حق رکھتا ہے جو بائع کے ذمہ اس کا دین ہے۔ عقد طے پا جانے کے بعد وہ اسی کا حقدار ہے اس پر کسی بھی قسم کی اضافی شرط ربا میں شامل ہو کر ناجائز ہوگی۔ اسی بنا پر اسلامی مالیاتی اداروں کے لیے مقرر کردہ معیارات میں ایک معیار یہ بھی مقرر کیا گیا ہے کہ:

"لایجوز الشرط الجزائی عن التاخیر فی تسلیم المسلم فیه۔"[31]

ترجمہ: مسلم فیہ کی ادائیگی کی تاخیر پر شرطِ جزائی جائز نہیں۔

معیار مقرر کرنے کے بعد اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جو چیز فروخت کی جا رہی ہے وہ بیچنے والے کے ذمہ دین ہے جس پر اضافہ کی شرط سود شمار ہوتی ہے۔ البتہ اگر فروخت کنندہ تنگ دستی کی وجہ سے مہیانہ کر سکے تو اسے مہلت دینا محمود اور مقاصدِ شرع سے ہم آہنگ ہے۔ اگر بائع عمداً مسلم فیہ کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام لے رہا ہو تو ایسی صورت میں خریدار مال مرہون یا گارنٹی کو بیچ کر اپنے حق کو یقینی بنا سکتا ہے یا پھر بیع سلم کو فسخ کر کے رقم واپس لے سکتا ہے۔ اس کے علاوہ تاخیر پر جرمانہ کی قطعاً گنجائش نہ ہو گی کیونکہ یہ ربا کے زمرے میں شامل ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وقتِ مقرر پر مسلم فیہ کی ادائیگی یقینی بنانے کے لیے کیا راہ اختیار کی جا سکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رہن وکفالت کے ذریعے حق کو مؤکد بنایا جا سکتا ہے جس پر بحث آئندہ عنوان کے تحت آ رہی ہے۔ اس امر کا بیان بھی مناسب ہے کہ اگر وقتِ مقررہ پر بائع مسلم فیہ کی ادائیگی سے قاصر آ جائے کہ وہ چیز مارکیٹ میں دستیاب نہ رہے یا پیداوار کم ہو تو ایسی صورت میں خریدار کے پاس کیا اختیار ہو گا؟ جمہور فقہاء کے نزدیک رب السلم یعنی خریدار کو اختیار ہو گا کہ وہ اگر چاہے تو سلم فسخ کر دے اور بائع سے رقم واپس لے لے اور اگر چاہے تو مسلم فیہ کے وجود اور بازار میں دستیاب ہونے کا انتظار کرے۔

چنانچہ صاحب الهدایہ لکھتے ہیں:

"لو انقطع بعد المحل فرب السلم بالخيار ان شاء فسخ السلم و ان شاء انتظر وجوده۔"[32]

ترجمہ: اگر وہ مدت آنے پر منقطع ہو جائے تو رب السلم کو اختیار ہو گا کہ چاہے تو سلم فسخ کر دے اور چاہے تو اس کے وجود کا انتظار کرے۔

معلوم ہوا کہ مسلم فیہ دین کے درجہ میں ہے جسے خریدار صرف وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔ تاخیر پر جرمانہ سود میں شامل اور از روئے شرع ممنوع ہے۔ ادائیگی سے قاصر آنے کی صورت میں عقد کو فسخ یا چیز کی دستیابی تک انتظار کا اختیار خریدار کو حاصل ہو گا۔ دونوں میں سے اپنے قرینِ حال صورت کا وہ انتخاب کر سکتا ہے۔

عقدِ سلَم میں توثیق کا حکم

دین، امانت یا کوئی بھی معاملہ ہو تحریر و اشہاد کے ذریعہ اسے موثق و موکد بنانے کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں۔ عقدِ سلم بھی چونکہ ایک حق ہے اس لیے تحریر و اشہاد کے ذریعہ اسے بھی موثق بنایا جا سکتا ہے۔ جہاں تک رہن یا کفالت کے ذریعے اس کی توثیق کا تعلق ہے تو اس کی دو صورتیں متصور ہیں:

اوّل: توثیق بذریعہ رہن۔

دوم: توثیق بذریعہ کفالت۔

جمہور فقہاء کے نزدیک عقدِ سلم کو دونوں طرح موثق بنایا جاسکتا ہے۔ خریدار بائع سے جس طرح رہن کا مطالبہ کر سکتا ہے اسی طرح کفیل کی شرط بھی لگا سکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں مقصد حق کی توثیق ہے۔[33] اس سلسلے میں ان کی دلیل آیتِ مدائنہ ہے جو ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی تصریح کے مطابق سلم کے باب میں نازل ہوئی ہے۔ اسی طرح بعد والی آیت میں رہن کی اجازت بھی وارد ہے۔[34] نیز امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک باب "الرھن فی السلم" کے عنوان سے قائم کیا ہے جس کے تحت یہ روایت نقل کی ہے کہ:

"ان النبیﷺ اشتریٰ من یھودی طعاماالی اجل معلوم وارتھن منه درعامن حدید۔"[35]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے ایک یہودی سے متعین مدت تک غلہ خریدا اور اس کے پال لوہے کی زرہ رہن رکھی۔

ابنِ حزم سلم میں رہن کی اجازت تو دیتے ہیں تاہم ان کے نزدیک کفالت کی شرط سلم کو فاسد کر دیتی ہے۔ لکھتے ہیں:

"اشتراط الکفیل فی السلم یفسدبه السلم لانه شرط لیس فی کتاب الله تعالیٰ فھوباطل واما اشتراط الرھن فیه جائز۔"[36]

ترجمہ: سلم میں کفیل کی شرط سلم کو فاسد کر دیتی ہے کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جو اللہ کی کتاب میں نہیں سو یہ باطل ہو گی البتہ اس میں رہن کی شرط جائز ہے۔

معاصر معاشی صورتحال میں اگر اس امر کا جائزہ لیا جائے تو رہن کی مانند کفالت اور گارنٹی مالیاتی اداروں کے لیے ایک مجبوری بن چکی ہے۔ مالیاتی ادارے کثیر افراد کے سرمایہ کے امین اور جوابدہ ہوتے ہیں۔ کاروباری عمل انجام دینے کے بعد صارفین کو رقوم کی فراہمی یقینی بنانے کے لیے یہ اقدامات ناگزیر ہیں تاکہ سرمایہ کی چلت اور آمد ورفت مقرر و معہود طریق پر رواں دواں رہے۔ بسا اوقات بیع سلم کا معاہدہ کرنے والا اپنے پاس کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جو رہن رکھوائی جاسکے۔ لہٰذا کسی تیسرے ذمہ دار شخص کی ضمانت کے ذریعہ یہ مقصد حاصل کیا جاتا ہے۔ اس میں نہ صرف کاشتکار کا مفاد بلکہ عوام الناس کی رقوم کا تحفظ ہے۔ رہن ہو یا کفالت دونوں کا بنیادی مقصد حق کی پختگی ہے تو دونوں کے جواز میں کوئی مانع نہیں جبکہ ممانعت پر کوئی مضبوط اور واضح دلیل بھی وارد نہ ہو۔ مناسب یہی ہے کہ عقدِ سلم کی رہن وضمانت کے ذریعے توثیق جائز ہو۔

بہر حال عقدِ سلم ایک مشروع عقد ہے جس میں فریقین کی رعایت مضمر ہے۔ اب استصناع کا روایتی مفہوم مختصراً بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ جدید معیشت میں سلم و استصناع دونوں طریقہ تمویل کے طور پر معروف ہیں اور ان کی تفصیلات تقریباً ایک جیسی ہیں۔

استصناع: تعارف، اصول اور مبادیات

استصناع کا سادہ مفہوم آرڈر پر کوئی شے تیار کروانا ہے۔ لغۃً استصناع طلبِ صنعت کو کہتے ہیں اور صنعت کسی بھی کاری گر کی کاری گری ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ کاری گر کے عمل کی طلب جو کسی چیز کی شکل میں ظاہر ہو، کا نام استصناع ہے۔[37] اصطلاح میں استصناع ایسے عقد کو کہا جاتا ہے جس میں کسی بھی کاری گر سے کوئی خاص چیز مخصوص انداز اور دی گئی تفصیلات کے مطابق بنوائی جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں کسی کاری گر کے ساتھ مستقبل میں کسی مخصوص چیز بنوانے کا عقد استصناع کہلاتا ہے۔[38] جمہور فقہاء دونوں کو ایک ہی عقد شمار کرتے ہیں جبکہ احناف دونوں کو الگ عقد تصور کرتے ہیں۔ علی احمد السالوس لکھتے ہیں:

"الاستصناع عند المالكية و الشافعية و الحنابلة جزءمن السلم لايصح الا بشروطه و هو عند الحنفية عدا زفر عقد مستقل له شروط واحكام الخاصة۔"[39]

ترجمہ: مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں استصناع سلم ہی کی ایک قسم ہے جو اس کی شروط کے بغیر درست نہیں۔ حنفیہ کے ہاں سوائے امام زفر کے ایک مستقل عقد ہے جس کی اپنی خاص شرائط اور احکام ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ استصناع اس امر میں سلم کے مشابہ ہے کہ اس میں مقررہ اوصاف کی حامل کسی چیز کے واجب فی الذمہ ہونے کا التزام کیا جاتا ہے جس کی ادائیگی ایک وقتِ مقررہ پر طے پاتی ہے تاہم احناف دونوں عقود کے مابین چند وجوہِ امتیاز بیان کرتے ہیں جن کی روشنی میں اس عقد کی فقہی کیفیت کی تعیین ممکن ہے:

1. عقدِ استصناع اس چیز پر ہوتا ہے جسے تیار کرنے کی ضرورت ہو جبکہ سلم ہر چیز پر منعقد ہو سکتا ہے، اسے تیار کرنے کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔
2. عقدِ سلم طے پاجانے کے بعد یک طرفہ طور پر منسوخ نہیں کیا جا سکتا جبکہ استصناع مال کی تیاری سے قبل منسوخ کیا جا سکتا ہے۔[40]
3. سلم میں مکمل قیمت پیشگی ادا کرنا ضروری ہے جبکہ استصناع میں ضروری نہیں۔
4. بیع سلم میں مسلم فیہ کی ادائیگی کا وقت متعین کرنا ضروری ہے لیکن استصناع میں سپردگی کا وقت مقرر کرنا ضروری نہیں۔[41]

حنفیہ کے ہاں استصناع مستقل عقد کی حیثیت سے بر سبیل استحسان مشروع ہے۔ معدوم کی بیع پر مشتمل ہونے کی بنا پر اگرچہ قیاس عدمِ جواز کا داعی ہے یہی وجہ ہے کہ احناف میں سے امام زفر اس کی مشروعیت کے قائل نہیں تاہم عہدِ رسالت سے آج تک امت کے تعامل کی بنا پر بقیہ احناف اس کی مشروعیت کے قائل ہیں۔[42] گویا اس عقد پر عہدِ رسالت سے اجماعِ عملی ثابت ہے۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ کے لیے منبر اور انگوٹھی

کا تیار کروایا جانا بھی اس کی مشروعیت کی دلیل ہے۔[43] نیز انسانی ضرورت بھی استصناع سے وابستہ ہے اور ضرورت کی بنا پر شارع نے خلافِ قیاس بیع سلم کو جائز قرار دیا ہے تو استصناع کی اجازت میں بھی کوئی ابہام باقی نہیں رہتا۔

عقدِ استصناع کی صحت کے لیے لازمی اصول

عقدِ استصناع دو امور کو مستلزم ہے مطلوبہ چیز اور صانع کا عمل۔ یہ دونوں صانع کی جانب سے ہونا استصناع کے لیے ضروری ہے۔ جمہور فقہاء کے نزدیک استصناع کی وہی شرائط ہیں جو سلم کے باب میں بیان کی گئیں۔ تاہم احناف جن شروط کو لازمی قرار دیتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

1. مطلوبہ عین کی جنس، نوع اور مقدار و اوصاف واضح طور پر بیان کر دیے جائیں تا کہ کسی قسم کا ابہام یا جہالت باقی نہ رہے۔
2. مطلوبہ چیز کا تعلق ان اشیاء سے ہو جن میں استصناع کا تعامل اور رواج ہو۔ جیسا کہ برتن اور جوتے وغیرہ۔ جو اشیاء عادتاً آرڈر پر نہیں بنوائی جاتیں ان میں استصناع کا عقد درست نہیں۔[44] واضح رہے کہ عوام الناس کا تعامل اور عرف زمان و مکان کے لحاظ سے مختلف ہو سکتا ہے۔ اس لیے کس چیز کا عقدِ استصناع ہو سکتا ہے اور کس کا نہیں اس کا فیصلہ عرف و تعامل کو سامنے رکھتے ہوئے کیا جائے گا۔
3. عقدِ استصناع میں اجل یعنی سپردگی کا کوئی مقرر وقت بیان نہ کیا جائے۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو یہ عقدِ سلم ہو گا اور اسی کی شرائط واحکام کا انطباق کیا جائے گا۔ احناف میں سے امام ابو حنیفہ اس کو شرط قرار دیتے ہیں تاہم صاحبین کے نزدیک اجل بیان کیا جائے یا نہ عقد استصناع ہی شمار ہو گا۔[45]

موجودہ صورتحال میں صاحبین کی رائے مناسب معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر مقررہ وقت بیان نہ کیا جائے تو معاملات تعطل کا شکار ہو سکتے ہیں جس کے نتیجے میں مالی نقصان کا اندیشہ ہے۔ نیز عادت بھی یہی ہے کہ اگر وقت کی تعیین ہو تو صانع پر ایک قسم کا دباؤ رہتا ہے اور وہ چیز کی تیاری میں تساہل سے کام نہیں لیتا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ اجل کے عدمِ بیان کو شرط قرار نہ دیا جائے۔

عقدِ استصناع کی تکییف

عقدِ استصناع کی کیفیت کے بارے میں صاحب الہدایہ کے کلام کا حاصل ان نکات کی صورت میں بیان کیا جا سکتا ہے:

- عمل شروع ہونے سے پہلے بالاتفاق فریقین میں سے کسی کے حق میں بھی یہ عقد لازم نہیں ہوتا۔
- عمل شروع ہونے سے پہلے فریقین میں سے ہر ایک کو عقد فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

- عمل کی تکمیل کے بعد آرڈر دینے والے کے دیکھنے سے قبل بھی عقد غیر لازم ہوتا ہے۔ لہٰذا کاریگر جسے چاہے فروخت کر سکتا ہے کیونکہ عقد کسی متعین تیار کردہ چیز پر منعقد نہیں ہوا تھا بلکہ کاریگر کے ذمہ اس کا مثل ادا کرنا لازم تھا جو وہ بعد میں بھی ادا کر سکتا ہے۔
- جب کاریگر چیز مقررہ شرائط کے مطابق تیار کر کے آرڈر دینے والے کے پاس لے آئے تو اس صورت میں فقہائے احناف کے تین اقوال ہیں:

1. ظاہر الروایۃ کے مطابق کاریگر کا اختیار ختم ہو جائے گا جبکہ آرڈر دینے والے کا اختیار برقرار رہے گا۔
2. امام ابو حنیفہ کی ایک روایت کے مطابق دونوں کا اختیار باقی رہے گا۔
3. امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق عقد لازم ہو گا اور کسی کو اختیار حاصل نہ ہو گا اِلّا یہ کہ وہ چیز مقررہ اوصاف کے مطابق نہ ہو۔ امام موصوف کا کہنا ہے کہ صانع نے چیز کی تیاری کے لیے اپنا خام مال خراب کیا اور شرائط کے مطابق اسے تیار کیا ہے۔ اب آرڈر دینے والے کو انکار کا اختیار دینے میں صانع کا نقصان ہے لہٰذا کسی کو یہ حق حاصل نہ ہو گا۔[46]

موجودہ معاشی صورتحال میں امام ابو یوسف کی رائے پر عمل مناسب نظر آتا ہے کیونکہ تمام اوصاف کے مطابق مال کی تیاری کے باوجود انکار کا حق دینے میں اموال الناس کا ضیاع لازم آتا ہے نیز صانع کی محنت بے ثمر رہتی ہے۔ ممکن ہے کہ اسے ان اوصاف پر تیار کردہ چیز کا کوئی گاہک نہ ملے۔ خاص طور پر بڑے منصوبہ جات کے معاہدوں میں تیاری کے بعد عقد کو لازم قرار دینا ہی ضروری ہے کیونکہ اس قدر بڑی اور مہنگی تعمیرات یا مصنوعات ہر آدمی کے استعمال کی نہیں ہوتیں۔ ضروری ہو گا کہ جس نے انہیں اپنی طلب کے مطابق تیار کروایا وہی اسے قبول کرے م تاکہ لوگوں کے اموال محفوظ اور محنت بارآور ہو۔

ان تمام شرائط اور تفصیلات کے مطابق عقدِ استصناع کے نتیجے میں واجب فی الذمہ سامان پر آرڈر دینے والے کی ملکیت جبکہ ثمن پر غیر لازمی طور پر صانع کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے۔ تاہم ہر ایک اپنی مملوکہ چیز پر قبضہ سے قبل تصرف کا حقدار نہ ہو گا۔

عقدِ سلَم کے معاصر اطلاقات

موجودہ معیشت میں سلم واستصناع کا شمار سرمایہ کاری کے غیر سودی متبادلات میں ہوتا ہے جو دورِ حاضر میں عوام الناس بالخصوص کاشت کار اور صنعت کار حضرات کو درکار مالی اخراجات کو پورا کرنے میں اپنا مثبت کردار ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح مختلف مالیاتی ادارے سرمایہ کاری کے لیے ان عقود سے مستفید ہوتے ہیں۔ زراعت کے

شعبہ میں سرمایہ کاری کے لیے تو اس عقد کو بہ آسانی اپنایا جاسکتا ہے جس کی عملی تطبیق کے مطابق مالیاتی ادارہ رب السلم کی حیثیت سے کسی کاشتکار (مسلم الیہ) سے پیداوار کے حصول کے لیے عقدِ سلم کرے گا۔ زرعی پیداوار (مسلم فیہ) کی سپردگی کے لیے مدت مقرر کی جائے گی۔ سلم میں چونکہ عام طور پر قیمت نسبتاً کم ہوتی ہے اس لیے مالیاتی ادارے کو وہ چیز سستی میسر ہوگی جسے وصولی کے بعد زیادہ قیمت پر وہ فروخت کر سکے گا۔ دونوں قیمتوں کا درمیانی فرق مالیاتی ادارے کو حاصل ہونے والا نفع ہوگا۔

مذکورہ بالا طریقہ کار کے مطابق سلم کو سرمایہ کاری کے مقاصد کے لیے بالکل آسان اور سادہ انداز میں بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔ البتہ یہاں ایک عملی مشکل کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مالیاتی ادارہ صارف سے نقد رقم کی بجائے زرعی یا صنعتی پیداوار وصول کر سکے گا۔ مالیاتی اداروں بالخصوص بینکوں کا کام چونکہ عموماً نقد رقوم سے متعلق ہوتا ہے اس لیے وہ مالیاتی ادارہ اگر کچھ مشقت برداشت کرتے ہوئے اجناس حاصل ہونے کے بعد ان کی آگے فروخت کرے تو یہ بہت مستحسن عمل ہوگا۔ علاوہ ازیں ہر مالیاتی ادارہ اپنا ایک ذیلی شعبہ قائم کرکے بھی اس مشکل کا حل نکال سکتا ہے جس کی ذمہ داری اشیاء کی وصولی اور ان کی آگے بازار میں فروخت ہو۔ اجناس کی تجارت اور لین دین میں مہارت رکھنے والے افراد اس شعبہ میں کام کریں۔ یوں جہاں انہیں حق الخدمت حاصل ہوگا وہیں مالیاتی ادارے کی مشکل بھی آسان ہوگی۔

سلم متوازی: سلم کی جدید شکل

سلم متوازی یا موازی جدید معاشی اصطلاح ہے جو عقدِ سلم کے معاصر طریقہ کار سے عبارت ہے۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ رب السلم سے معین مدت پر مبیع یعنی مسلم فیہ کی ادائیگی کا التزام لینے کے بعد رب السلم کسی دوسرے صارف یا فریق سے نیا عقدِ سلم کرے جس میں اس کی حیثیت مسلم الیہ یعنی سامان فراہم کرنے والے کی ہو۔[47] مثلاً مالیاتی ادارہ پہلے کسی کاشت کار سے کپاس، گندم یا کسی اور زرعی جنس کے لیے عقدِ سلم کرے۔ یہاں مالیاتی ادارہ رب السلم اور کاشت کار مسلم الیہ ہوگا۔ پھر مالیاتی ادارہ (عقدِ اوّل کا رب السلم) کسی فیکٹری یا صنعتکار کو کپاس کی فراہمی کے لیے دوسرا عقدِ سلم کرے۔ یہاں مالیاتی ادارہ مسلم الیہ اور وہ صنعتکار رب السلم ہوگا۔ پہلے عقد میں کاشتکار سے کپاس یا زرعی جنس وصول کرنے کے بعد مالیاتی ادارہ وہی جنس صنعتکار کو فروخت کرکے اپنا نفع حاصل کرلے گا۔ یہ عقد پہلے عقد کے فوری بعد یا کچھ عرصہ کے بعد کیا جاسکتا ہے تاہم جنس کی ادائیگی کی مدت وہی رکھی جائے جو پہلے عقد میں ہو تاکہ کاشت کار سے وصولی کے فوری بعد صنعتکار کو فراہم کی جاسکے۔

اگر سلمِ موازی کا یہ طریقہ اختیار نہ کیا جائے تو ایک اور طریق کی بھی گنجائش موجود ہے۔مالیاتی ادارہ کاشتکار سے بیع سلم کے بعد کسی تیسرے فرد سے مقررہ وقت پر خریداری کا وعدہ لے سکتا ہے۔ البتہ ضروری ہے کہ یہ وعدہ یک طرفہ ہو۔ یہ وعدہ ہے عملاً بیع نہیں اس لیے خریدار پیشگی ادائیگی کا پابند نہیں ہو گا۔مالیاتی ادارہ زیادہ قیمت مقرر کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔جب مالیاتی ادارے کو کاشتکار سے چیز موصول ہو تو وہ وعدہ کے مطابق طے شدہ قیمت پر تیسرے شخص کو فروخت کر سکے گا۔

تجزیہ

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ سلم ایک بہترین طریقِ تمویل ہے تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ عملی تطبیق کو شرع کے اصولوں سے ہم آہنگ بنایا جائے تا کہ کسی قسم کی کوئی شرعی خامی لازم نہ آئے۔ بیان کردہ طریق ربوی تمویل کا نعم البدل ہو سکتا ہے تاہم اس کے لیے درج ذیل امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہو گا:

1. سلمِ موازی میں مالیاتی ادارہ دو مختلف عقود میں دو حیثیتوں سے شامل ہوتا ہے۔ایک میں خریدار اور دوسرے میں فروخت کنندہ۔اصولاً ان میں سے ہر عقد دوسرے سے الگ مستقل طور پر طے پانا چاہیے۔ایک عقد کو دوسرے سے مربوط کرنا بایں طور کہ ایک کے حقوق ووظائف دوسرے پر موقوف ہوں، بیعتین فی بیعة (ایک عقد میں دو عقود کا پایا جانا) کی شرعاً ممانعت کی بنا پر درست نہ ہو گا۔
2. پہلے عقد میں ادارہ کو کاشتکار سے مال جس نوعیت کا بھی حاصل ہو، وقتِ مقرر پر صنعت کار کو ان کی طے کردہ شرائط کے مطابق مال فراہم کرنا ضروری ہو گا۔چاہے ادارہ کو اسی کاشتکار سے انہی اوصاف کی حامل پیداوار حاصل ہو یا بازار سے خرید کر دے یہ ادارہ کی ذمہ داری ہو گی۔
3. سلمِ موازی میں دوسرا عقد کسی تیسرے فریق یا فرد کے ساتھ کرنا ضروری ہے۔پہلے عقد کے بائع کو دوسرے عقد میں خریدار نہیں بنایا جا سکتا کہ بینک اسی صارف سے خریدنے کے بعد اسی کو زیادہ قیمت پر بیچ دے۔ یہ بیع عینہ (Buy Back) کی صورت ہو گی جو ربا کا حیلہ ہونے کی بنا پر ناجائز ہے۔

ان عناصر کا خیال رکھتے ہوئے سلمِ موازی سرمایہ کاری کے معاصر طریقہ کے طور پر معیشت میں اپنا کردار ادا کر سکتا ہے۔

استصناع کے معاصر اطلاقات

اگر استصناع کے حوالے سے بات کی جائے تو اسے مخصوص معاہدات خصوصاً ہاؤس بلڈنگ فائنانس میں سرمایہ کاری کے لیے بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔اس کی دو صورتیں ممکن ہیں:

1. صارف کے پاس زمین پلاٹ وغیرہ موجود ہو جس پر وہ مکان کی تعمیر کا خواہش مند ہو۔ تمویل کار اس پلاٹ پر صارف کی شرائط اور بیان کردہ اوصاف کے مطابق استصناع کی بنیاد پر گھر تعمیر کرنے کی ذمہ داری قبول کر سکتا ہے۔
2. صارف کے پاس پلاٹ بھی نہ ہونے کی صورت میں تمویل کار ادارہ جگہ اور مکان دونوں کی ذمہ داری بھی لے سکتا ہے کہ صارف کے مطلوبہ علاقے میں اس کی طلب اور اوصاف کے مطابق گھر تعمیر کر کے دے۔

دونوں صورتوں میں یہ لازم ہو گا کہ تعمیراتی سامان تمویل کار کی جانب سے ہو تاکہ استصناع کی شرائط پر عمل ہو سکے۔ استصناع میں قیمت کی پیشگی یا مبیع پر قبضہ کے وقت ادائیگی ضروری نہیں بلکہ عاقدین اپنی مرضی سے کوئی بھی وقت طے کر سکتے ہیں۔ نیز یہ قیمت یکمشت کی بجائے اقساط میں بھی ادا کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ عاقدین اپنی مصلحت کے مطابق باہمی رضامندی سے کوئی بھی طریقہ کار اور وقت مقرر کر سکتے ہیں۔ اگر تمویل کار گھر خود تعمیر نہیں کرنا چاہتا تو وہ کسی تیسرے فریق سے یہ خدمت لے سکتا ہے۔ سلَم کی مانند یہ استصناع موازی ہو گا۔ پہلے عقد میں صانع تمویل کار، دوسرے میں مستصنع ہو گا۔ صارف کی شرائط کے مطابق تیسرے فریق سے گھر کی تعمیر کروانے کے بعد بحیثیت صانع اس کے حوالے کرے گا۔ دونوں عقود میں لاگت کا حساب لگا کر قیمت کا تعین اس حساب سے کیا جاسکتا ہے کہ اسے معقول نفع حاصل ہو جائے۔

نقشہ جات کی بنیاد پر گھروں کی تعمیر اور خرید و فروخت

نقشہ جات کی بنیاد پر گھروں کی تعمیر کے لیے جو معاہدات کیے جاتے ہیں وہ استصناع ہی کے زمرے میں آتے ہیں۔ تعمیر کا خواہشمند مستصنع اور تعمیر کے لیے جس تعمیراتی کمپنی سے معاہدہ کیا جاتا ہے صانع کے درجہ میں ہوتی ہے۔ گھر کا نقشہ عین کی تمام تر تفصیلات اور اوصاف پر مبنی ہوتا ہے اس لیے اس کے بعد اوصاف و شرائط الگ سے بیان کرنے کی نوبت نہیں رہتی۔ تعمیراتی سامان مالک کی جانب سے ہونے کی صورت میں یہ عقدِ اجارہ ہو گا تاہم اگر تعمیراتی کمپنی خود سامان خریدے اور تعمیر کا عمل انجام دے تو یہ عقدِ استصناع ہو گا۔ نیز وہ کمپنی کسی تیسرے فریق سے استصناع موازی کے طور پر بھی گھر کی تعمیر کرا سکتی ہے البتہ اتنی بات ضروری ہو گی کہ تعمیر نقشہ کے مطابق ہو۔

بڑے منصوبہ جات کی سرمایہ کاری کے لیے استصناع کا استعمال

بڑے منصوبوں کی تمویل یعنی (Project Financing) کے لیے بھی استصناع کو انہی حدود و قیود کے ساتھ بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی صارف اپنی فیکٹری میں پانی، گیس یا ایئر کنڈیشن پلانٹ لگوانا چاہتا ہے تو وہ تمویل کار اس کی شرائط کے مطابق پلانٹ فراہمی کی ذمہ داری قبول کر سکتا ہے بشرطیکہ پلانٹ تیار

کرنے کی ضرورت ہو۔ پہلے سے تیار شدہ ہونے کی صورت میں سلم کا طریق اس کی شرائط کے مطابق اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔ اسی طرح شاہراہوں، پل وغیرہ کی تعمیر کے لیے بھی استصناع کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔ یوں ایک شرعی طریقہ کار کے مطابق تمویل کے ذریعہ معیشت کو ربا کی لعنت سے پاک کیا جاسکتا ہے۔

حاصلِ بحث

معدوم کی بیع کی ممانعت شرع کا بنیادی اصول ہے۔ انسانی ضرورت کی بناپر جن معاملات کو اس اصول سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے ان میں سلم واستصناع شامل ہیں۔ سلم ایسی بیع کو کہتے ہیں جس میں ثمن یعنی قیمت فی الفور ادا کردی جاتی ہے اور مبیع بعد میں کسی وقتِ مقرر پر ادا کرنے کا عہد کیا جاتا ہے۔ شرع نے مخصوص شرائط یعنی جنس، نوع، اوصاف، مقدار اور اجل کے بیان اور تعیین کی شرط پر اس بیع کی اجازت دی ہے۔ سلم کی مشروعیت پر علمائے امت متفق ہیں البتہ جزئیات میں ان کی آراء مختلف ہیں۔ استصناع جمہور فقہاء کے نزدیک سلم کا ہی ایک شعبہ جبکہ احناف کے نزدیک مستقل عقد ہے۔ جن اشیاء کو آرڈر پر تیار کروانے کا تعامل ہوا نہیں تیار کروانا استصناع کہلاتا ہے۔ صانع اپنے خام مال سے شرائط کے مطابق مال تیار کرکے طالب کو فراہم کرتا ہے۔ موجودہ معیشت میں سلم واستصناع ایک بہترین طریقہ تمویل ثابت ہوسکتے ہیں۔ زرعی شعبہ کی تمویل میں سلم اور تعمیراتی شعبہ میں استصناع اپنا کردار بخوبی ادا کرتے ہیں۔ سلم واستصناع موازی کے طور پر ان کا استعمال معروف ہے۔ البتہ اس کے لیے ضروری ہے کہ شرعی اصولوں کو ملحوظ رکھا جائے۔ مثلاً موازی ہونے کی صورت میں ہر عقد مستقل اور دوسرے پر غیر منحصر وغیر موقوف ہو۔ نیز فریقِ اوّل کے ساتھ ہی دوسرا معاہدہ کرنے کی بجائے کسی تیسرے فریق سے معاہدہ کیا جائے تاکہ حلال اور شرعی خامیوں سے پاک تمویل کا مقصد حاصل کیا جاسکے۔

حوالہ جات وحواشی

1 ابنِ منظور، محمد بن مکرم، **لسان العرب**، (بیروت: دار صادر، سن ندارد) 3/2081۔

2 البہوتی، منصور بن یونس، **کشاف القناع**، (بیروت: دار عالم الکتب، 1983ء)، 3/288۔

3 القرطبی، محمد بن احمد بن ابی بکر، **الجامع لاحکام القرآن**، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 2006ء)، 4/425۔

4 البہوتی، **کشاف القناع**، 3/289۔

5 ابن عابدین، محمد بن امین، **رد المحتار علی الدر المختار**، (ریاض: دار عالم الکتب، 2003ء)، 7/454۔

6 الدردیر، ابوالبرکات احمد بن محمد، الشرح الصغیر، (قاہرۃ: دارالمعارف، 1986ء)، 3/262۔

7 البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، (ریاض: دارالحضارۃ للنشر والتوزیع، 2015ء)، کتاب السلم، باب السلم فی وزن معلوم، رقم الحدیث: 2125۔

8 الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، (ریاض: دارالسلام، 2015ء)، کتاب البیع، باب السلف فی الطعام والثمر، ص274۔

9 القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 4/423۔

10 البخاری، الجامع الصحیح، کتاب السلم، باب السلم فی وزن معلوم، رقم الحدیث: 2243۔

11 ابن قدامہ، موفق الدین عبداللہ بن احمد، المغنی، (ریاض: دار عالم الکتب، 1997ء)، 6/385۔

12 رفیق یونس المصری، فقه المعاملات المالية، (دمشق: دارالقلم، 2005ء)، ص169۔

13 المرغینانی، برہان الدین علی بن ابی بکر، الہدایۃ، (کراچی: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، 1417ھ)، 5/234۔

14 ایضاً، 5/239۔

15 ایضاً، 5/242۔

16 ابن حزم، علی بن احمد بن سعید، المحلی بالآثار، (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 2003ء)، 8/46۔

17 ایضاً، 8/52۔

18 ایضاً، 5/231۔

19 ایضاً، 8/45۔

20 المرغینانی، الہدایۃ، 5/232۔

21 قاضی عبدالوہاب، الاشراف علی مسائل الخلاف، (مصر: دارالکتب الحدیثۃ، 2003ء)، 10/280۔

22 المرغینانی، الہدایۃ، 5/238۔

23 ایضاً، 5/234۔

24 ابن قدامۃ، المغنی، 6/406۔

25 ابن ماجۃ، محمد بن یزید القزوینی، السنن، (ریاض: دارالسلام، 2014ء)، کتاب التجارات، باب السلف فی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم، رقم الحدیث: 2281۔

26 المرغینانی، الہدایۃ، 5/228۔

27 ابن حزم، المحلیٰ بالآثار، 8/52۔

28 ابن قدامۃ، المغنی، 6/415۔

29 المرغینانی، الہدایۃ، 5/243۔

30 مالک بن انس، الامام، المؤطا، (بیروت: داراحیاء التراث العربی، 1985ء)، کتاب البیوع، باب مالایجوز من السلف، رقم الحدیث: 93۔

31 ہیئۃ المحاسبۃ الشرعیۃ، المعاییرالشرعیۃ، رقم المعیار 10، ص157۔

32 المرغینانی، الہدایۃ، 5/228۔

33 ابن قدامہ، المغنی، 6/423۔

34 دیکھیے: سورۃ البقرۃ 2:283۔

35 البخاری، الجامع الصحیح، کتاب السلم، باب الرھن فی السلم، رقم الحدیث: 2252۔

36 ابن حزم، المحلیٰ بالآثار، 8/47۔

37 فیروزآبادی، مجد الدین، القاموس المحیط، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 2005ء)، ص739۔

38 الکاسانی، علاؤالدین ابو بکر بن مسعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 2003ء)، 6/84۔

39 السالوس علی احمد، موسوعۃ القضایا الفقھیۃ المعاصرۃ والاقتصاد الاسلامی، (قطر: دارالثقافۃ، 2002ء)، ص842۔

40 المرغینانی، الہدایۃ، 5/256۔

41 ایضاً، 5/255۔

42 ایضاً۔

43 دیکھیے: البخاری، الجامع الصحیح، کتاب اللباس، باب من جعل فص الخاتم فی بطن کفہ، رقم الحدیث: 5538۔

44 المرغینانی، الہدایۃ، 5/257۔

45 دیکھیے: الکاسانی، بدائع الصنائع، 6/87۔

46 تفصیل کے لیے دیکھیے: المرغینانی، الہدایۃ، 5/256۔

47 ہیئۃ المحاسبۃ الشرعیۃ، المعاییرالشرعیۃ، ص165۔